

کورونا نہیں، قومی ڈی این اے ٹیسٹ کروایے؟

کافی عرصے کے بعد مرِ صحراء سے ملاقات ہوئی۔ جب سے بہاولپور ہاؤس یعنی 2.G.O.R سے منتقل ہوا ہوں، تو شہر سے دوری کا احساس ہونے لگا ہے۔ جس بیابان میں رہتا ہوں، وہ ویسے تو اچھی جگہ ہے۔ بہر حال لاہور شہر کے وسط سے کافی دور ہے۔ آبادی بھی خال خال ہے۔ مگر اب تو ایسے لگتا ہے کہ سب لوگ ایک دوسرے سے صدیوں کے فاصلوں پر زندہ رہ رہے ہیں۔ ہر شخص، ایک دوسرے کے قریب ہونے کے باوجود بے حد دور ہے۔ فاصلے بہر حال انسان کے سماجی میل جوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بات مرِ صحراء کی ہو رہی تھی۔ آپکے لیے تو صرف اور صرف دلفظ ہیں۔ مگر یہ صحرائی جوان، یعنی ارشد محمود بٹ بچپن کا دوست ہے۔ لاکل پور کی جناح کا لوئی کا محلہ دار۔ ڈاکٹر الیس ڈی بٹ صاحب کا بیٹا۔ ویسے پرانے دوست بھی کیا نایاب تھے ہیں۔ تھوڑی دیر کیلئے تو انسان کو وقت کی قید سے آزاد کر دیتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ کچھ عرض کروں۔ ڈاکٹر الیس ڈی بٹ کا ذکر خیر ضرور کرنا چاہوں گا۔ کیونکہ یہ سب کچھ میرے اوپر قرض ہے۔ ڈاکٹر صاحب انہیں سوچا سوچا کی دہائی میں امریکہ کی ایک بین الاقوامی سطح کی یونیورسٹی میں کیمیسٹری میں پی اچ ڈی کرنے گئے تھے۔ یونیورسٹی کی انتظامیہ نے ڈاکٹر الیس ڈی بٹ صاحب کو غیر مشروط طور پر گرین کارڈ دینے کا اعلان کیا۔ ستر برس پہلے کا ذکر کر رہا ہوں۔ لازم ہے کہ اسکے بعد، بٹ صاحب امریکی شہری ہو جاتے اور پھر وہیں قیام پذیر ہتے۔ مگر مرِ صحراء کے والد گرامی نے گرین کارڈ لینے سے انکار کر دیا۔ لاکل پور زرعی یونیورسٹی میں پوری عمر کیمیسٹری پڑھانے میں صرف کر دی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد لاہور منتقل ہو گئے اور یوں ارشد بھی لاہور آگیا۔ ویسے اس زمانے کے بزرگ بھی کیا خوب تھے۔ ارشد کے گھر سے دو تین گھنچوڑ کر میجر ریٹائرڈ شریف صاحب کا گھر تھا۔ میجر صاحب ہیٹ پہنچتے تھے۔ انتہائی دیدہ زیب لباس اور شاندار سائیکل۔ بخدا کیا ذکر کروں اور کیا نہ کروں، پتہ نہیں یہ لوگ کون تھے۔ اب ارڈر گرددیکھتا ہوں تو دور دور تک بونے نظر آتے ہیں۔ کالم، کہاں سے کہاں نکل گیا۔

مرِ صحراء کو چند ماہ پہلے ہارت اٹیک ہوا تھا۔ اب کافی حد تک صحت یا ب ہو چکا ہے۔ ایک تبدیلی ضرور دیکھی ہے۔ اگر پہلے، ڈاکٹر ارشد، دن میں کچھ وقت مطالعہ کیلئے صرف کرتا تھا، تو اب یہ دورانیہ طویل ہو چکا ہے۔ اس محنت سے غیر متعصب تبصرہ کشید ہو کر نہ ہو رہا ہے۔ ارشد اب ایسے بنیادی نکات اٹھاتا ہے کہ انسان سوچے سمجھے بغیر جواب ہرگز ہرگز نہیں دے سکتا۔ کہنے لگا کہ یہ ملک ایسے ہی چلتا رہیگا۔ خراب حال بلکہ خستہ حال۔ بہتری کی امید تقریباً دم توڑ چکی ہے۔ نظام اس قدر ادنیٰ مگر طاقتور ہے کہ کوئی بھی مفر حاصل نہیں کر سکتا۔ نہ سیاسی لیڈر اور نہ ہی عوام۔ سب کے سب اپنی اپنی جگہ بے بس ہیں۔ مکمل طور پر مفتون۔ ارشد کے بقول نہ ہمیں اچھے قائدین دستیاب ہوئے۔ بلکہ مشکل ترین بات یہ بھی ہے کہ عوام بھی اس قدر بگڑائیا بگڑائی گئی کہ اب اچھائی کی گنجائش بہت محدود رہ گئی ہے۔ عام لوگوں میں زوال کا سفر حد درجہ اہم نکتہ ہے۔ یہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ مرِ صحراء کو ویسے تو اس سماج سے کئی گلے ہیں۔ مگر ایک بات جو بار بار کہہ رہا تھا کہ ہم کسی صورت میں اپنے قابل ترین لوگوں کی عزت نہیں کرتے۔ انکی قد نہیں کرتے۔ ان لائق ہیں۔

لوگوں کا تعلق کسی بھی شعبے سے ہو۔ انکو ہر لحاظ سے تنگ کرتے ہیں۔ طعنہ زنی کرتے ہیں۔ جینا دو بھر کر دینے ہیں۔ نتیجہ بالکل منطقی ہے۔ اکثریت ملک چھوڑ کر مغربی دنیا میں جا بستی ہے۔ یا سب کچھ چھوڑ کر گھر میں مقید ہو جاتی ہے۔ دراصل ہمارے ملک میں سوچنے والا ہر شخص ناشاد ہے۔ ضروری نہیں کہ آپ کسی کے خیالات سے متفق ہوں۔ مگر ہم تو کسی بھی انسان کو اپنے خیالات سے معمولی انحراف پر بے اوقات کرنے کی بھرپور کوشش ضرور کرتے ہیں۔ یہ ہمارا شخصی وطیرہ ہے۔ مرد صحراء بتا رہا تھا کہ اب تو جاوید غامدی صاحب امریکہ منتقل ہو چکے ہیں اور پاکستان سے سوچل میڈیا کے سہارے ہر وقت رابطے میں رہتے ہیں۔ جاوید غامدی، ایک سکھ بند دینی عالم ہیں۔ اپنی دنیا کا واحد مسافر۔ آج تک ایک بھی ایسا شخص نہیں دیکھا جو غامدی صاحب سے مکالمہ میں دلیل پر کامیاب ہوا ہو۔ مگر یہی انکا سب سے بڑا جرم ہے۔ جب انکی بات کا جواب نہیں دیا جاسکتا تو ہم، اس شخص کے متعلق منفی رویہ اپنالیتے ہیں۔ اسکی جان کے دشمن بن جاتے ہیں۔ غامدی صاحب کے خیالات سے بیٹھ اتفاق نہ کریں۔ مگر اس دینی عالم کو ملک چھوڑنے پر مجبور کرنا، مناسب بات نہیں ہے۔ مرد صحراء، بار بار کہہ رہا تھا کہ غامدی صاحب کو اس ملک میں جائز مقام نہیں دیا گیا۔ مگر میرا تو تجربہ ہے کہ ہم تو کسی بھی شعبے میں، کسی بھی اہل انسان کو اس کا جائز مقام نہیں دے سکے۔ یوں لگتا ہے کہ ہم بونوں کی قوم ہیں جو اپنے سے ایک انج قدار اور شخص سے بھی ڈرتے ہیں۔ گھبرا تے ہیں اور اسکو برداشت نہیں کرتے۔ ارشد بٹ مزید کہہ رہا تھا۔ مولوی اور عالم میں بہت فرق ہے۔ میرے لیے ویسے یہ دونوں رتبے قابلِ احترام ہیں۔ مگر یہ بات طے ہے کہ ہمارے اکثر دینی رہنماء، سوسائٹی کو جوڑنے کی بجائے، منتشر کرنا اپنا منصب سمجھتے ہیں اور اس میں آزاد کامیاب بھی ہیں۔ ہر فرقہ، دوسرے فرقے کے خلاف ہے۔ ہر ایک دوسرے کا فرگر دانتا ہے۔ بہر حال مرد صحرانے آزاد ہم کنٹہ اٹھایا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپکی رائے مختلف ہو۔ مگر ہم لوگ ہر معاملے میں شدید ذہنی انتشار کا شکار ہیں۔ عجیب بات یہ بھی ہے کہ مرد صحراء جو ایک میڈیکل ڈاکٹر بھی ہے، اس نے موجودہ کورونا وبا کے متعلق کوئی بات نہیں کی۔ دراصل ارشد کی سوچ کا کیفوس اب اتنا کشادہ ہو چکا ہے کہ اس میں معمولی مصادب اہم نہیں رہے۔

دون سے مرد صحراء کی باتوں کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ ہم میں سے اکثریت یہی کہتی ہے کہ ہمارے لیڈر از خدا را خراب ہیں۔ کرپٹ ہیں۔ لاپچی اور بے ایمان ہیں۔ مگر بہت کم لوگ اتنی ڈھنی پیشگی کے حامل ہوتے ہیں کہ اس ترتیب کو مکمل طور پر الٹ کر دیکھیں۔ اس دلیل میں آزاد دوزن ہے کہ بگاڑ عوام کی روحوں تک جا چکا ہے۔ وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ زیادہ بگاڑ قائدین میں ہے یا عوام میں، یادوں میں۔ اس کا فیصلہ تو بہر حال ہر انسان اپنے زاویے سے کرتا ہے۔ مگر حقائق کو پرکھا جائے تو عوامی سطح پر خوفناک تنزلی موجود ہے۔ چلیے، کرونا کی وباء کو ایک نکتہ بنایا کہ بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس وقت لوگوں میں راشن دینے اور لینے کی دہائی پھی ہوئی ہے۔ ہر صاحب ثروت شخص اس کوشش میں ہے کہ کسی طرح، غریب آدمی کو دو وقت کی روٹی پہنچا سکے۔ مگر تصور یہ کہ دوسرا پہلو بھی ہے۔ اس میدان میں اُن گنت لوگ ایسے آپکے ہیں جو ہر طرف سے راشن جمع کر رہے ہیں۔ سائیکل، موٹر سائیکل اور کنڈھوں پر بوریاں اٹھا کر لے جا رہے ہیں۔ پھر ان میں سے راشن والپس دکانوں پر بکنا شروع ہو جاتا ہے۔ ہر ایک کے علم میں ہے کہ دیا ہوا راشن کا کشیر حصہ، عام دکانوں پر واپس فروخت ہو رہا ہے۔ مگر اس بارے میں لوگ کم بات کرتے ہیں۔ تصویر کا یہ رخ دیکھنا اور دکھانا کافی مشکل ہے بلکہ تکلیف دہ

بھی۔ ہاں، اب احساس پروگرام شروع کیا گیا ہے۔ جسکے تحت بارہ ہزار روپے غریب لوگوں میں تقسیم کیے جائیں گے۔ اول تو یہ بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام ہے۔ عمران خان کوچا ہیے تھا کہ اصل نام سے ہی برقرار رہنے دیتا۔ مگر یہاں اپنے حریف کے متعلق اتنا حوصلہ رکھنا ناممکنات میں سے ہے۔ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ برسیر روزگار لوگ بھی احساس پروگرام کے تحت پسے لینے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ کتنے لوگوں کو جانتا ہوں جو کہ اپنا گزارہ اچھے طریقے سے کر رہے ہیں۔ مگر وہ اس بارہ ہزار کے پیچھے ہلاکاں ہو رہے ہیں۔ سندھ کی کاروباری، معدزرت، سیاسی حکومت میں تو یہاں تک سننے میں آیا ہے کہ بارہ ہزار دینے کی بجائے، ساڑھے گیارہ ہزار دینے جا رہے ہیں۔ پانچ سور و پیسے۔ حق سرکاری عمال کھل کر وصول ہو رہے ہیں۔ سندھ کو الگ کرنا مناسب بات نہیں۔ اللہ کا فضل ہے کہ تمام صوبے، اس ”کار خیر“ میں یکساں ہیں۔ ہاں پنجاب میں منافقت کچھ زیادہ ہے۔ یہاں پسے بھی لیے جاتے ہیں اور ایمانداری کی فتنمیں بھی کھائی جاتی ہیں۔ پیپلز پارٹی کے قائدین کی اس وجہ سے قدر کرتا ہوں کہ وہ ہر گز ہر گز دو عملی کاشکار نہیں ہیں۔ وہ شفافیت، ایمانداری کا ذکر نہیں کرتے۔ فی زمانہ یہ بھی ایک وصف ہے کہ کم از کم، بے ایمانی کے کاروبار میں تو ایمانداری بر قی جائے۔ ورنہ پنجاب میں تو معاملہ ہی نزالہ ہے۔ جو جتنا بے ایمان ہے، اتنا ہی ایمانداری کا لفظی معرفت ہے۔ بلوچستان میں خیر قبائلی طرز کا نظام ہے۔ وہاں حکومت، وسائل کوچلی سطح پر منتقل کرنے پر یقین ہی نہیں رکھتی۔ تمام پیسے، کاغذوں میں ہی خرچ ہو جاتا ہے۔ اگر یقین نہیں آتا فتنان میں فرطینہ بنانے اور چلانے پر سرکاری وسائل کا ذرا آٹھٹ کروالیجئے۔ آپ کو سمجھ آ جائیگا کہ مسئلہ کیا ہے۔ خیر پختونخواہ میں وسیم اکرم پلس پلس کا دور دور ہے۔ ہر جگہ مسائل درمسائل کی تھہ دار دلدل ہے۔

عرض یہ ہے کہ آپ جتنے مرضی وسائل مہیا کر دیں۔ جو مرضی قدم اٹھا لیں۔ نتیجہ صرف اور صرف صفر ہو گا۔ ہر گز یہ عرض نہیں کر رہا کہ کرونا کی وباء سے حکومت لڑنے کی کوشش نہیں کر رہی، بالکل کر رہی ہے۔ خان صاحب پورا زور لگا رہے ہیں۔ مگر ہر قدم پر مشکلات آتی کھڑی کر دی گئی ہیں کہ حکومتی اقدام دم توڑتے نظر آتے ہیں۔ ہماری قوم تواب ایسی بن چکی ہے کہ اگر انہیں آسمان سے من وسلوی بھی اُتار کر دیا جائے تو یہ اسے ذخیرہ کر لیں گے اور پھر فرشتوں کو دوبارہ فروخت کرنے کی کوشش کر لیں گے۔ اگر فرشتے قابو نہ آسکے تو یہ کریانہ سٹور پر جا کر قسمت آزمائی ضرور کر لیں گے۔ پتہ نہیں، من وسلوی بیچنے کی کوشش کامیاب ہو گی یا نہیں۔ مگر بگاڑ عوام میں حد رجھ کا ہے۔ کسی بھی حکومت کیلئے، اس عوام کی فلاج و بہبود، بہت مشکل یا ناممکن کام ہے۔ مشورہ تو یہ ہے کہ کرونا کٹش منگوانے کی بجائے، ڈی این اے کٹش منگوانی جانی چاہیں۔ ہمارا قومی ڈی این اے مسلسل زوال کا شکار ہے۔ لہذا کرونا وائرس کاٹشیٹ کی تو ہر گز ہر گز ضرورت ہی نہیں ہے۔ منہی قومی ڈی این اے کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اسکا کوئی علاج موجود نہیں ہے؟

رأو منظر حیات